

”عنایت اللہ انصاری“

Anayetullah Ansari

Assistant Professor Department of URDU

RBGR Collage Maharajganj SIWAN Bihar

Contact No. 9031431678 / 6201471567

Email : anayetullahansari@rediffmail.com

”Sinf-e-Dastangoi Taarif aur Tareekh”

BA Urdu (Hons) Part-1 (Paper-1)

”صنف داستان گوئی تعریف اور تاریخ“

اردو زبان میں قصہ اور کہانی کی جو سب قدیم ترین صنف ہے، اس کو داستان کہتے ہیں۔ عہد قدیم میں نثر میں جو بھی طویل قصے لکھے گئے، اس کو داستان کے صنفی نام سے یاد کیا گیا۔ داستان کا بنیادی اور ماہر الاثر انیسویں صدی کا ہے، مگر یہ نثر کی دوسری اصناف کے مقابلے میں بہت طویل ہوتی ہے، زمانہ قدیم میں لوگوں کے پاس فارغ البالی تھی، ان کے پاس زندگی کے مسائل نہیں تھے، وہ ہر طرف سے آزاد تھے، وقت کاٹے نہیں کٹتا تھا، تو وقت گزاری کے لیے یہ لوگ خیالی دنیا میں سیر کرانے والی داستانوں کا سہارا لیتے تھے۔ عموماً شب میں چوک چوراہے پر یا کسی دروازہ یا چوپال پر گاؤں دیہات کے لوگ جمع ہو جاتے تھے اور ایک قصہ گو اپنے انداز میں داستان سرائی کرتا تھا، جس سے عوام الناس بھی لطف اندوز ہوتے تھے۔ نئی نثری اصناف کے وجود میں آنے سے قبل جتنے قصے لکھے گئے ہیں، وہ سب داستان کے ذیل میں آتے ہیں۔ داستان امیر حمزہ، الف لیلہ اور طلسم ہوش ربا اردو کی کامیاب داستانیں ہیں۔

مگر جب صنعتی عہد آیا، سائنسی ایجادات سے لوگوں کا واسطہ پڑا اور تعلیم کی روشنی سے قلب و دماغ منور ہوا، تو داستانوں کا کوئی مقام نہیں رہا۔ جب لوگوں کے پاس وقت نہیں رہا، انھیں دوسرے مسائل زمانہ نے گھیر لیا تو دوسری مختصر اصناف نے جنم لیا۔ یوں تو ناول، ڈراما، افسانہ بھی نثری اصناف ہیں، جن میں قصہ بیان کیا جاتا ہے، مگر یہ داستان سے الگ ہے۔ داستان میں قصے شاخ و درشاخ پھوٹے رہتے ہیں اور ایک قصہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا قصہ اسی کے لٹن سے جنم لیتا ہے اور داستان شیطان کی آنت کی طرح طویل ترین ہو جاتی ہے۔ ماہرین و ناقدین نے داستان کی بہت سی تعریفیں کی ہیں لیکن انصاف میں شامل کہکشاں حصہ دوم میں داستان کی تعریف میں یہ جملے ملتے ہیں:

”داستانوں میں ایک ساتھ متعدد قصے اس طرح شامل کیے جاتے ہیں کہ وہ الگ الگ آزادانہ وجود تو رکھتے ہی ہیں لیکن ایک باریک دھاگے سے وہ اصل قصے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔“

داستان کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ اس میں مافوق فطری عناصر کی بھرمار ہوتی ہے۔ شاید ہی اردو کی کوئی داستان مافوق فطری عناصر کی بہتات سے مبرا ہو۔ اسی مافوق فطری عناصر کے بل پر داستان گو کے لیے سامعین کو تخیلات کی وادی میں لے جانا آسان ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کے سحر میں کھو کر حقیقی دنیا کے غم و الم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

داستان میں صرف قصہ کہانی کی چیز نہیں، یہ ہماری قدیم و تہذیب و ثقافت کا گہوارہ بھی ہوتی ہیں۔ پرانے زمانے کی زبان اور لوگوں کے رہن سہن اور ان کی عادات و اطوار سے واقفیت کے لیے داستان کلید کا کام دیتی ہے۔ محاورات، ضرب الامثال کا جتنا بہترین استعمال داستانوں میں ملتا ہے، اتنا کسی دوسری نثری صنف میں نہیں ملتا۔

ملاو جہی کی سب رس کو اردو کی قدیم ترین اور پہلی داستان ہونے کا امتیاز حاصل ہے۔ اس کا سن تصنیف ۱۶۳۲ء ہے۔ اس داستان میں حسن و عشق کی تمثیل کے ذریعے چند نصیحت کی گئی ہے۔ زبان بھی بہت قدیم اور مشکل ہے، جس کو بغیر تشریح کے سمجھنا محال ہے۔ شمالی ہندوستان کی داستانوں میں قصہ مہر افروز دلبر (عیسوی خاں)، نو طرز مرصع (عطا حسین خاں تحسین)، نو آئین ہندی (مہر چند کھتری) اور عجائب القصص (شاہ عالم خانی) اہم اور قابل ذکر ہیں۔ یہ اٹھارہویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔

داستانوں کو سب سے زیادہ عروج اور فروغ فورٹ ولیم کالج میں ملا، اس کالج کو انگریز افسران نے ایک مقصد کے تحت قائم کیا تھا، جہاں

داستان نویسوں کی ایک بہت بڑی تعداد کام کر رہی تھی اور نئی داستانوں سے اردو کے سرمایے میں اضافہ کر رہی تھی۔ میرامن دہلوی کی باغ و بہار، حیدر بخش حیدری کی آرائش محفل، مرزا کاظم علی جواں کی شکستہ مانا تک اور نہال چند لاہوری کی نثر بے نظیر فورٹ ولیم کالج کی دین ہیں۔

وہ زمانہ قصہ گوئی کا تھا، بڑے بوڑھے اور جوان سبھی کو اس فن سے دل چسپی تھی، اس لیے داستان نویسی کا کام صرف فورٹ ولیم کالج میں ہی نہیں ہو رہا تھا، بلکہ کالج سے باہر بھی دل چسپ داستانیں لکھی جا رہی تھیں۔ انشاء اللہ خاں انشانے رانی کچھکی کی کہانی، جیسی مختصر مگر مشہور اور دل چسپ داستان لکھی جس کی زبان عربی فارسی الفاظ کی آمیزش سے پاک ہے اور آج بھی ایک معیار تصور کی جاتی ہے۔ باغ عشق (بنی ناراین جہاں)، الف لیلی (مفتی عبدالکریم)، بوستان خیال (خواجہ امان دہلوی رقرالدین راقم)، گلشن نو بہار (محمد بخش مجبور)، فسانہ عجائب (مرزا رجب علی بیگ سرور)، قصہ بہرام گور (میر فرخند علی)، طلسم ہوش ربا (احمد حسین جاہ) یہ ساری داستانیں بھی فورٹ ولیم کالج کے احاطے سے باہر لکھی گئیں اور اپنے عہد میں بہت مقبول ہوئیں۔

مگر یہ صنف چوں کہ زمانے کے ساتھ نہ چل سکی، اس لیے یہ تعلیمی ترقیاتی عہد کے بعد دم توڑ گئی۔ جب تعلیم کا دائرہ پھیلا اور لوگوں کا ذہن تعلیم کی روشنی سے معمور ہوا تو انھوں نے داستانوں سے رشتہ توڑ لیا، کیوں کہ داستانوں میں حقیقی زندگی سے فرار کا راستہ اختیار کیا جاتا تھا اور اس میں حقیقی زندگی کا کوئی شاہد نہیں ہوتا تھا۔ سائنسی عہد میں پریوں، جنوں اور بادشاہوں اور شہزادوں کے واقعات اور تخیلاتی فضا سے انھیں ایک قسم کا تنفر ہو گیا، مگر اسی داستان کے لٹن سے ناول جیسی صنف نے جنم لیا، جس کو نئے عہد کی زندگی کا ترجمان کہا گیا، کیوں کہ ناول میں حقیقی زندگی کی تصویر کشی ہوتی ہے، ناول صنعتی اور سائنسی عہد کی دین ہے، جو ہماری زندگی کے حقیقی مسائل سے مربوط ہوتی ہے۔

آج داستان اردو ادب میں قصہ پارینہ بن چکی ہے۔